کے ساتھ مزاحمت کرتی ہیں، نہ صرف غلط نصب العین پر قائم ہونے والی ریاست کا قانون شامل ہوتا ہے جو اسے اس کی فطرت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرتا ہے بلکہ وہ نظامِ تعلیم (جس میں سماجی ماحول بھی داخل ہے) بھی شامل ہوتا ہے جو اسے نادانستہ طور پر ایسی خواہشات کو دل میں جگہ دینے پر مجبور کرتا ہے جو اس کے فطری جذبۂ محبت کے تقاضوں کے خلاف ہوتی ہیں

ایک غلط نصب العین کی محبّت انسان کی بعد از مرگ زندگی کو دشوار بناتی ہے

(۷) اس آدمی کے افعال جو ایک غلط نصب العین سے محبت کر رہا ہو نہ صرف یہ کہ آخر کار اس دنیا میں اس کے کسی کام نہیں آتے بلکہ وہ اس کی اگلی دنیا کی زندگی میں بھی اس کی ترقی اور خوشی کے راستہ میں ناقابلِ عبور، دلدوز اور درد انگیز رکاوٹوں کا سامان بن جاتے ہیں۔

نوعِ انسانی کے بقا کی ایک لازمی شرط

اگر ہم فقط انسان کی اس دنیا کی زندگی کو ہی زیرِ غور لائیں تو پھر بھی غلط نصب العینوں سے محبت کرنے کے نقصانات اتنے شدید ہیں کہ اس میں ذرا شک نہیں رہتا کہ اگر قدرت انبیاء کو بھیج کر انسان کی اس کوشش کی صحیح راہ نمائی کا اہتمام نہ کرتی جن کے ذریعہ سے وہ نصب العین کی محبت کے فطری جذبہ کی تشفی کرتا ہے تو اس بات کی کوئی امید نہ ہو سکتی کہ نوعِ انسانی تادیر کرۂ ارض پر زندہ رہ سکے گی۔ لیکن اب جبکہ خدا کی رحمت سے نبوّت کی ہدایت دنیا میں موجود ہو چکی ہے صورتِ حال مختلف ہے۔ جس قدر زیادہ نوعِ انسانی اپنے مختلف گروہوں کے باہمی دشمنیوں اور رقابتوں کی وجہ سے اپنی ہلاکت اور بربادی سے قریب آتی جائے گی (اور اس میں شک نہیں کہ اس وقت وہ دن بدن اس سے زیادہ قریب آتی جا رہی ہے) اسی قدر زیادہ وہ اس بات پر مجبور ہو گی کہ اس خطرناک صورتِ حال کا کوئی مؤثر اور کامیاب علاج تلاش کرے اور اس کا مؤثر اور کامیاب علاج اسے صرف تعلیمِ نبوّت میں ہی مل سکے گا جو انسان کی خوش قسمتی سے پہلے ہی موجود ہے۔

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر)

قسم ہے زمانہ کی، انسان یقیناً بڑے نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اتباع حق کی تلقین کرتے ہیں اور صبر سے کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے فقط آپ کو کل عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

صحیح نصب العین سے محبت کرنے کی برکتیں

جب کوئی انسانی فرد یا انسانوں کا گروہ انبیا کی دعوت کو قبول کر لیتا ہے اور خدا کے سچے نصب العین سے محبت کرنے لگ جاتا ہے تو اس حالت کو اسلام کی اصطلاح میں حالت ایمان کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسا فرد انسانی یا ایسا انسانی گروہ صاف اور سیدھی سڑک پر چل نکلتا ہے جو اس کے انتہائی ہمہ گیر کمال کی طرف جاتی ہے اور آخر کار وہ اتنا کامل اور بے عیب ہو جاتا ہے جتنا کہ ہم کسی فرد یا گروہ کے کامل اور بے عیب ہونے کا تصور کر سکتے ہیں۔

زندگی اور اس کی اقدار کا صحیح نقطۂ نظر

وہ انسان جو خدا کے صحیح نصب العین سے سچی محبت کرتا ہے زندگی اور اس کی قدروں کے متعلق صحیح نقطہ نظر پیدا کر لیتا ہے۔ اشیا اور اشخاص کے متعلق اس کا زاویہ نگاہ درست ہو جاتا ہے اور اس کے الفاظ اور افکار اور افعال درست ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسی چیزوں سے محبت کرتا ہے جو درحقیقت ستائش اور محبت کے قابل ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں سے نفرت کرتا ہے جو درحقیقت زشت اور قابل نفرت ہوتی ہیں۔ صرف ایسا شخص ہی نیکی، سچائی، عدل، مساوات، اخوت، حریت وغیرہ اصطلاحات کے معنی صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے اور پوری طرح سے ان کی اہمیت اور ضرورت محسوس کر سکتا ہے۔ وہی اس قابل ہوتا ہے کہ اپنے نصب العین کو وہ تمام محبت پوری طرح سے دے سکے جس کی استعداد اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے نصب العین

(باقی صفحہ ۱۰)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

(۵)

حکمتِ اقبال

غلط فلسفہ بھی غلط محبت سے پیدا ہوتا ہے

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے تصورِ حقیقت کا عشق صرف اس فلسفی کا ہی امتیاز نہیں ہوتا جو صحیح تصورِ حقیقت کو اپنے فلسفہ کی بنیاد بنا رہا ہو بلکہ استدلال کی ظاہری اور عارضی قوت جو ایک غلط فلسفہ کو حاصل ہوتی ہے وہ اس کے موجد کے اس عشق ہی کی وجہ سے ہوتی ہے جو اسے اپنے غلط تصورِ حقیقت سے ہوتا ہے۔ اس عشق کی وجہ سے وہ ان سچے حقائق سے آنکھیں بند کر لیتا ہے جو اس کے غلط تصورِ حقیقت سے مطابقت نہ رکھتے ہوں اور ان غلط حقائق کو صحیح سمجھ لیتا ہے جو اس کے غلط تصورِ حقیقت سے مطابقت رکھتے ہوں مثلاً اگر کارل مارکس کو اپنے غلط تصورِ حقیقت سے عشق نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا فلسفہ نہ لکھ سکتا جو قطعی طور پر غلط ہونے کے باوجود آج کروڑوں بندگانِ خدا کی زندگیوں کا مدار محور بنا ہوا ہے۔

اب غور کیجئے کہ ایک طرف سے تو کائنات کا صحیح فلسفہ انسان کی شدید ترین نظری اور عملی ضروریات میں سے ہے اور دوسری طرف سے اس کے بہم پہنچنے کی راہ میں ناقابلِ عبور دشواریاں ہیں لیکن قدرت کا قاعدہ ہے کہ انسان کی ہر شدید قدرتی ضرورت کی تشفی کے لیے وہ اپنا انتظام کرتی ہے اور اس التزام کی بنیاد بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر قدرت ایسا نہ کرے تو کائنات میں اس کے مقاصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح سے قدرت ہماری شدید بدنی ضروریات کی تکمیل کے لیے بادل۔ ہوا۔ سورج۔ چاند۔ زمین اور آسمان ایسی قوتوں کو کارفرما کرتی ہے اسی طرح سے وہ ہماری شدید روحانی ضروریات کی تشفی کے لیے انبیاء کا سلسلہ قائم کرتی ہے۔

اس کتاب میں آگے چل کر اقبال کے نظریۂ نبوت کی پوری تشریح کی جائے گی یہاں صرف یہ گزارش کرنا مقصود ہے کہ حضرت انسان کے لیے ہر نبی کا سب سے پہلا اور سب سے آخری اور سب سے زیادہ قیمتی تحفہ حقیقتِ کائنات کا صحیح تصور ہوتا ہے اسی تصور کو ہم خدا کا تصور کہتے ہیں

اس تصور کی پوری حقیقت اس کے عملی اطلاق سے ہی سمجھ میں آتی ہے اور اس کا عملی اطلاق جس کا ظہور سب سے پہلے نبی کی عملی زندگی کی مثال میں ہوتا ہے اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ انسان کی سماجی زندگی ارتقا کر کے ایک خاص مقام تک نہ پہنچ جائے جہاں اس کے تمام ضروری اور قدرتی پہلو مثلاً سیاست، جنگ، معاشیات قانون، معاملات وغیرہ پوری طرح سے نمایاں ہوں جونہی کہ انسانی سماج کا ارتقا اس مرحلہ پر پہنچتا ہے اس میں ایک ایسا نبی پیدا ہوتا ہے جو اپنی عملی زندگی کی مثال کے ذریعہ سے انسان کی عملی زندگی کے ان تمام ضروری شعبوں پر خدا کے تصور کا اطلاق کرتا ہے اور اس اطلاق کے ذریعہ سے خدا کے تصور کی صفات کے نظری اور عملی پہلوؤں کو آشکار کرتا ہے۔ وہ گویا پہلا شخص ہوتا ہے جو نوع بشر کو حقیقتِ کائنات کا ایسا کامل تصور عطا کرتا ہے جو ایک کامل اور صحیح فلسفہ کی بنیاد بن سکتا ہے اور بنتا ہے۔ اس نبی کے ظہور کے بعد نبوت کا اختتام ایک قدرتی بات ہے کیونکہ اس کے بعد انسان کے لیے کوئی مشکل باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنی عملی زندگی کو ہر قسم کی درستی اور ثروت کے اعتبار سے نقطۂ کمال پر پہنچا سکے وہ خاتم الانبیاء جنہوں نے نوعِ انسانی کو حقیقت کائنات کا کامل تصور عطا کیا ہے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ فلسفی جس نے علمی حقائق کی ترقیوں کے اس دور میں سب سے پہلے اپنے فلسفہ کی بنیاد نبوت کاملہ کے عطا کیے ہوئے کامل تصورِ حقیقت پر رکھی ہے اقبال ہے اور وہ فلسفہ جو اس دور کے علمی حقائق کو نبوت کے عطا کیے ہوئے کامل تصورِ حقیقت کی بنیادوں پر منظم کرتا ہے فلسفۂ خودی ہے۔ اقبال نے یہ دیکھ لیا ہے کہ یہی وہ تصورِ حقیقت ہے جو صحیح ہے اور جو تمام حقائق کائنات کو منظم کر کے ایک وحدت بناتا ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال بار بار کہتا ہے کہ وہ فلسفہ جو نبوت کاملہ کے عطا کیے ہوئے تصور حقیقت پر مبنی نہ ہو بلکہ حقیقت کے کسی ایسے تصور پر مبنی ہو جو کسی فلسفی نے حقائق عالم کی ناتمام معرفت کی بنا پر نبوت کی مدد کے بغیر خود بخود قائم کر لیا ہو بیکار اور غلط ہے اور تمام فلسفے جو آج تک وجود میں آئے ہیں ایسے ہی ہیں۔ صرف خدا کا عشق ہی صحیح فلسفہ کی بنیاد بن سکتا ہے اور اس عشق کا منبع رسول کی اطاعت ہے۔

نہ فلسفی سے نہ ملا سے ہے غرض مجھ کو   یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا ۔ زناریِ برگساں نہ ہوتا
ہیگل کا صدف گہر سے خالی ۔ ہے اس کا طلسم سب خیالی
انجامِ خرد ہے بے حضوری ۔ ہے فلسفۂ زندگی سے دوری
دل در سخنِ محمدی بند ۔ اے پورِ علی ز بو علی چند

ہیگل کے فلسفہ پر اقبال نے جو تحقیر آمیز تنقید کی ہے وہ اصل میں ان کے نزدیک ہر غیر قرآنی فلسفہ پر صادق آتی ہے۔

حکمتش معقول و با محسوس در خلوت نرفت
گرچہ فکرِ بکر او پیرایہ پوشد چوں عروس
طائرِ عقلِ فلک پرواز او دانی کہ چیست
ماکیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس

سچا تصوّرِ حقیقت فقط خدا کا تصوّر ہے جو زندہ اور حی و قیوم ہے۔ باقی تمام تصورات حقیقت مردہ ہیں اور مردہ کی تصویر کشی بھی جو فلسفہ کی صورت اختیار کرتی ہے مردہ ہی ہوتی ہے اگر آج اسے زندہ سمجھا جا رہا ہو تو یوں سمجھئے کہ وہ نزع کی حالت میں گرفتار ہے اسے آج نہیں تو کل مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا۔

یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خُونِ جگر سے

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سرِّ محبت سے بے نصیب رہا
پھرا فضاؤں میں شاہیں اگرچہ کرگس وار
شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

حکیماں مردہ را صورت نگارند
یہ موسٰے دمِ عیسٰے ندارند
دریں حکمت دلم چیزے نہ دید است
برائے حکمت دیگر تپید است

ظاہر ہے کہ حکمتِ دیگر سے اقبال کی مراد وہ حکمت ہے جو زندہ خدا کو حقیقتِ کائنات مانتی ہو۔ خدا ہی وہ تصوّرِ حقیقت ہے جو سچّے عشق کا منبع ہے اور جس کی فلسفی کو ضرورت ہے۔ اسی عشق سے کائنات کے رازہائے سربستہ منکشف ہوتے ہیں۔ یہی وہ خونِ جگر ہے جس سے فلسفہ لکھا جاتا ہے تو پھر نہ حالتِ نزع میں گرفتار ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے اور خدا کا عشق خدا کے رسُول کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا مدلول ہے اور رسُولؐ اُس کی دلیل۔

مے ندانی عشق و مستی از کجاست
ایں شُعاعِ آفتابِ مصطفٰؐے ست

عقل تصوّرِ حقیقت کے تابع رہتی ہے اس کی راہیں اتنی ہی ہیں جتنے کہ حقیقت کے تصورات موجود ہیں۔ لہٰذا اقبال نے عقل کو "عقل ہزار حیلہ" کہا ہے سچّے فلسفہ کا دارومدار محض عقل پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ خدا کا سچا عشق عقل کی راہ نمائی کرے۔ سچّے عشق کا راستہ فقط ایک ہے اور وہی انسان کی صحیح منزل کی طرف جاتا ہے لیکن عقل کے راستے ہزاروں ہیں۔

نشانِ راہ زعقل ہزار حیلہ مپرس
بیا کہ عشق کمالے زیک فنی دارد!

اسی طرح سے وہ علم شیطانی ہے جو خدا کے سچّے عشق سے راہ نمائی نہیں پاتا۔ ایسا علم صحیح فلسفہ کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ لیکن وہ علم جو خدا کی محبّت کے ماتحت وجود میں آئے پاکیزہ اور صحیح ہوتا ہے اور صحیح فلسفے کی بنیاد بن سکتا ہے۔

علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم با عشق است از لاہوتیاں

نقشے کہ بستہ ہمہ اوہام باطل است   عقلے بہم رساں کہ ادب خوردہ دل است

بے محبّت علم و حکمت مردۂ   عقل تیرے بر ہدف ناخوردۂ

بچشمِ عشق نگر تا سراغ او بینی   جہاں بچشمِ خرد سیمیا و نیرنگ است

وہ علم کم بصری جس میں ہمکنار نہیں   تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم

نقطۂ ادوارِ عالم لا الٰہ   منتہائے کارِ عالم لا الٰہ

لا و الّا احتسابِ کائنات   لا و الّا فتحِ بابِ کائنات

حریفِ نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم   نگاہ چاہیے اسرارِ لا الٰہ کے لیے

فلسفی را با سیاستدان بیک میزان منج
چشمِ آں خورشید کورے دیدۂ آں بے نمے
ایں تراشد قولِ حق را حجتے نا استوار
آں بیارد قولِ باطل را دلیلے محکمے

ہر علمی حقیقت (حکمت کی بات) صرف ایک فلسفے کے ساتھ پوری پوری مطابقت رکھتی ہے اور وہ وہی ہے جو صحیح تصوّرِ حقیقت یعنی خدا کے تصوّر پر مبنی ہو لہٰذا جہاں سے وہ مل جائے اسے تلاش کر کے اس فلسفہ کا جزو بنا دینا چاہیے۔

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر   ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

چونکہ صحیح اور سچّی حکمت جو دنیا کی آخری حکمت ہوگی، خدا کی محبّت یا خدا کے عشق کی بنیاد پر قائم ہوگی اور نوعِ بشر کو متحد کر کے انہیں دائمی امن سے ہمکنار کرے گی۔ اقبال اس بات کی پرزور تحریک کرتا ہے کہ خدا کی محبّت کے نظریہ کو ایک فلسفہ یا حکمت کی شکل دی جائے۔ اس کے بغیر نہ تو خود یہ نظریہ عام قبولیّت حاصل کر سکے گا اور نہ ہی عالمِ انسانی غلط فلسفوں اور باہمی آویزشوں اور رقابتوں سے نجات پا سکے گا۔ اس قسم کا فلسفہ جب بھی وجود میں آئے گا ایک عالمگیر انقلاب اپنے ساتھ لائے گا اور ایک نئی دنیا پیدا کرے گا۔ عقل جس پر اہلِ مغرب کی زندگی کا دار و مدار ہے عشق سے راہ نمائی حاصل کرتی ہے اور خدا کا عشق جو اہلِ مشرق کا امتیاز ہے عقل سے قوّت حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا جب عقل اور عشق ایک دوسرے کے ہمدوش ہو کر ایک دوسرے کے ممد و معاون بن جائیں گے تو پوری دنیا کے اندر ایک انقلاب کا رونما ہو جانا ضروری ہو گا۔

غربیاں را زیرکی ساز حیات
شرقیاں را عشق رمز کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس
کار عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چوں با زیرکی ہمبر بود
نقشبندِ عالم دیگر شود!
خیز و نقش عالم دیگر بنہ
عشق را با زیرکی آمیز دہ

لیکن ان تمام علمی حقائق کو جنہیں انسان کی جستجوئے صداقت آج تک دریافت کر سکی ہے حقیقت کے صحیح تصوّر کے ساتھ منسلک کرنے کے بعد بھی تصوّر حقیقت کی تشریح اپنے کمال کو نہیں پہنچے گی۔ کیونکہ قیامت تک نئے نئے علمی حقائق دریافت ہو ہو کر اس حقیقت کی تشریح کے رشتہ میں منسلک ہوتے رہیں گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ واضح اور روشن کرتے رہیں گے اسی لیے اقبال نے "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے دیباچہ میں مشورہ دیا ہے:

"جُوں جُوں علم ترقی کرتا جائے گا اور فکر کی نئی نئی راہیں کھلتی جائیں گی۔ ان ہی مطالب کی تشریح کے لیے اور تصورات اور غالباً بہتر تصورات میسّر آتے جائیں گے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم انسان کی علمی ترقیوں کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنے تصور حقیقت کی روشنی میں ان پر تنقیدی نگاہ ڈالتے رہیں"

اسی خیال کو اقبال نے اس شعر کا جامہ پہنایا ہے۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

لیکن اگر کوئی شخص حقیقت کی معرفت تامہ کا خواہش مند ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت اور ریاضت کے ذریعے حقیقت کے حسن و کمال کا ذاتی احساس یا تجربہ پیدا کرے ورنہ نہ تو کوئی دانائے راز حقیقت کائنات کی مکمل تشریح کر سکتا ہے اور

نہ ہی کسی فردِ بشر کے لیے ممکن ہے کہ فقط اس تشریح کو سن کر یا پڑھ کر حقیقتِ کائنات کی مکمل معرفت حاصل کر سکے۔

حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
فروزاں ہے سینہ میں شمع نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس

زباں اگرچہ دلیر است و مدعا شیریں سخن ز عشق چہ گویم جز اینکہ نتواں گفت

رومی نے اس خیال کو بڑے زوردار الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں
گرچہ تفسیرِ زباں روشن گر است لیک عشق بے زباں روشن تر است
چوں قلم اندر نوشتن مے شتافت چوں بعشق آمد قلم بر خود شگافت
چوں سخن در وصف ایں حالت رسید ہم قلم بشکست و ہم کاغذ درید
عقل در شرحش چو خر در گل بخفت شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب گر دلیلت باید از وے رو متاب

اقبال ایسا ایک عاشقِ ذات فلسفی اپنے عشق کی حکیمانہ توجیہہ اس لیے کرتا ہے تاکہ اس کا مطالعہ کرنے والا ان عقلی اور علمی قسم کی رکاوٹوں سے نجات پائے جو حقائقِ علمی کی غلط بینی، غلط فہمی اور غلط ترجمانی سے اس کے عشق کی راہ میں پیدا ہو گئی ہوں اور تاکہ وہ ان رکاوٹوں سے نجات پا کر اس کے عشق سے بہرہ اندوز ہو اور پھر جب اس کی محبت کا چراغ اس طرح سے روشن ہو جائے تو وہ لازماً عبادت اور ریاضت کی طرف متوجہ ہو اور پھر عبادت اور ریاضت کے راستہ سے ہی اپنے عشق کو یہاں تک ترقی دے کہ اسے کم از کم اس غرض کے لیے خود حکمت کی بھی حاجت نہ رہے پہلے حکمت سے اس کا عشق پیدا ہو اور پھر اس کے عشق سے حکمت پھوٹتی اور بڑھتی اور پھولتی رہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر علمی حقیقت صرف ایک ہی تصورِ حقیقت کے ساتھ عقلی اور علمی طور پر وابستہ ہے تو

خدا کا تصور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ خدا ہی کائنات کی سچی حقیقت ہے اس لیے قرآن حکیم نے کائنات کی ہر علمی حقیقت کو ایک آیت یا نشان کہا ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ (اور زمین میں خدا پر یقین رکھنے والوں کے لیے بہت سے نشانات ہیں) یعنی چونکہ کائنات کی علمی حقیقتیں صرف خدا کے تصور کے ساتھ جو کائنات کی صحیح اور اصلی حقیقت ہے مطابقت رکھتی ہیں اور کسی باطل تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں لہٰذا وہ خدا کی خدائی کے نشانات یا دلائل یا شہادتیں ہیں۔

سچا فلسفی یہی کرتا ہے کہ جس قدر حقائق تمام نوع بشر کے دائرۂ علم میں داخل ہو چکے ہوں اُن کو معروف اور مقبول علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق کائنات کی سچی حقیقت کے ساتھ وابستہ کر کے معلوم کائنات کے ذرّہ ذرّہ سے کہلواتا ہے کہ کائنات کی سچی حقیقت وہی ہے۔

وفی کل شیء لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد

اور اس طریق سے باطل تصوراتِ حقیقت کے حق میں تمام ممکن شہادتوں کو ملیامیٹ کر دیتا ہے اسے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ ابھی نوع بشر کے احاطۂ علم میں بہت کم حقائق عالم داخل ہوئے ہیں اس لیے کہ وہ کم ہوں یا زیادہ سب اُسی کے تصور حقیقت کی تائید کر رہے ہوتے ہیں اور پھر جو لوگ غلط تصوراتِ حقیقت کے حق میں جھوٹی شہادتیں پیش کر رہے ہوتے ہیں ان کا دار و مدار بھی تو ان ہی حقائق کی غلط ترجمانی پر ہوتا ہے جب ہماری معلوم کائنات کا ہر ذرّہ بلند آواز سے اس بات کی شہادت دینے لگ جائے کہ کائنات کی سچی حقیقت خدا ہے تو وہ ساتھ ہی اس بات کی بھی شہادت دے رہا ہوتا ہے کہ خدا کے سوائے تمام تصوراتِ حقیقت باطل اور نامعقول ہیں:

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ

اور جو شخص خدا کو چھوڑ کر کسی اور معبود کو پکارے اس کے پاس کوئی دلیل یا شہادت موجود نہیں ہو سکتی۔

اور جب پوری کائنات میں ایک بھی علمی شہادت کسی باطل تصورِ حقیقت کے حق میں باقی نہ رہے تو پھر باطل تصوراتِ حقیقت کا باقی رہنا ناممکن ہو جاتا ہے اور پھر حقیقتِ کائنات کے صحیح

تصور پر قائم کیا ہوا نیا سچا فلسفہ دنیا بھر میں اشاعت پذیر ہوتا ہے اور کسی مزاحمت کے بغیر دنیا کے کناروں تک پھیل جاتا ہے لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ تصورات حقیقت فقط علمی دلچسپی کے نظریات نہیں ہوتے بلکہ افراد اور اقوام کی عملی زندگی کی پوری عمارتیں ان کی بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہیں لہٰذا جب وہ علمی حیثیت سے ختم ہو جائیں تو ان تعمیرات کا ختم ہونا بھی ضروری ہوتا ہے جو ان پر کھڑی ہوں اور جب ساری دنیا ہی باطل تصورات حقیقت پر تعمیر پائے ہوئے ہو تو ایسی حالت میں اس نئے سچے فلسفے کا ظہور پانا اور اشاعت پانا جو دونوں دنیاؤں کی حقیقت کے مرغوب اور مروج تصورات کو باطل ثابت کرنے پر تلا ہوا ہو ساری دنیا کے لیے ایک قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ باطل تصورات حقیقت کے پرستاروں میں سے کون ایسا ہوگا جو کسی فرد واحد کی ذات میں اس قیامت کو ابھرتا ہوا دیکھے اور اسے مٹانے کے درپے نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس قسم کے زلزلہ خیز فلسفے کو پیش کرنا بڑی جرأت کی بات ہے جس کی توقع ہر شخص سے نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ اپنے فکر کی تلوار سے اپنے ہم عصر لوگوں کی دونوں دنیاؤں کو فنا کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے۔

حکمت و فلسفہ را ہمت مردے باید
تیغ اندیشہ بروئے دو جہاں آختن است

خوگر من نیست چشم ہست و بود
لرزہ بر تن خیزدم از بیم نمود

تاہم یہ قیامت آ کر رہتی ہے اور جب حقیقت کے باطل تصورات مٹ رہے ہوتے ہیں اور ان کے اوپر کی عمارتیں بھی منہدم ہو رہی ہوتی ہیں تو اس عمل کے ساتھ ساتھ اس نئے سچے نظام حکمت کی بنیادوں پر ایک نئی دنیا وجود میں آتی ہے جسے عاشقان جمال ذات مل کر اپنی مرضی کے مطابق تعمیر کرتے ہیں اور ان کی مرضی خدا ہی کی مرضی ہوتی ہے گویا اس سے پہلے ان کے اور خدا کے درمیان یہ مکالمہ ہو چکا ہوتا ہے:

گفتند جہان ما آیا بتو مے سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

اور پھر خدا ان عاشقوں کا حوصلہ بڑھاتا ہے کہ تم جو چاہتے ہو وہی ہوگا اور تمہاری مزاحمت کرنے والے مٹا دیئے جائیں گے۔

قدم بیباک تر نہ در رہ زیست
بہ پہنائے جہاں غیر از تو کس نیست

یہی وجہ ہے کہ اقبال مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ صحیح تصور حقیقت پر ایک نئے فلسفے کی تشکیل کریں:

عشق چوں با زیرکی ہمبر بود
نقشبند عالم دیگر شود
خیز و نقش عالم دیگر بنہ
عشق را با زیرکی آمیزدہ!

چونکہ اس وقت صحیح تصوّر حقیقت اپنی پوری صحت اور صفائی کے ساتھ صرف مسلمان قوم ہی کے پاس ہے جو خاتم الانبیاء کی دعوت و تعلیم کی حامل ہے۔ ضروری ہے کہ یہ قوم اپنے نظریہ کی وجہ سے کسی جنگ و جدال کے بغیر روئے زمین پر غالب آئے:

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

جب ایسا ہوگا تو یقیناً یہ تاریخ کا ایک بہت بڑا حادثہ اور عظیم الشان انقلاب ہوگا لیکن یہ حادثہ اور یہ انقلاب ضمیر افلاک میں مخفی ہونے کے باوجود اقبال کی نگاہوں میں آشکار ہے۔

انقلابے کہ نگنجد بضمیر افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چسان مے بینم

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے

اس حادثہ یا انقلاب کے بعد جو حیرت انگیز نئی دنیا وجود میں آئے گی اس وقت ہم ہیں

سے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور کسی کو اس کا خیال بھی نہیں نہ مسجد میں نہ مکتب میں اور نہ مے خانہ میں:

کس کو معلوم ہے ہنگامۂ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و مے خانے ہیں مدت سے خموش

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

یہ بات حیرت میں ڈالنے والی ہے اور اگر زبان سے کہی جائے تو اسے کون مانے گا کہ کفر اور شرک اور فسق و فجور اور جنگ وجدال کے ایک ایسے طویل دور کے بعد ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں دنیا کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک خدا پرستی اور نیکی اور امن اور صلح اور سلامتی کا دور دورہ ہوگا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

لیکن اہل فرنگ جو اس وقت دنیا میں غالب ہیں اس بات کو نہیں سمجھ سکیں گے کہ آخر کار مسلمان قوم ہی دنیا میں غالب رہے گی۔ سمجھنا تو درکنار وہ تو اس بات کو سننا بھی گوارا نہیں کر سکیں گے۔

پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ افکار سے لانہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

خود قرآن حکیم کے اندر عالم انسانی کے اس شاندار مستقبل کی پیشگوئی موجود ہے قرآن حکیم میں بڑی تحدی سے اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ انبیاء کا نظریۂ حیات ہی دنیا میں غالب رہے گا اور دوسرے تمام نظریات مٹ کر فنا ہو جائیں گے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ

(خدا نے لکھ دیا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ہی دنیا میں غالب رہیں گے)

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(اگر تم سچے مومن بنو گے تو تم ہی دنیا میں غالب رہو گے)

لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ

اَلْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ

(اور بے شک ہمارے پیغمبروں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یقیناً وہی مظفر و منصور
ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی لازماً غالب رہے گا)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ

منکرین نبوت فلسفیوں کو آج تک اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود بھی کائنات کی سچی حقیقت کا پورا علم نہیں ہوا۔

حریف نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہیے اسرارِ لا الٰہ کے لیے

اگرچہ اس حقیقت کے علم کی طرف انہوں نے کچھ نہ کچھ پیش قدمی ضرور کی ہے در اصل فلسفہ اور نبوت دو مختلف راستوں سے ایک ہی منزل یعنی حقیقت عالم کی نقاب کشائی کی منزل کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ نبوت خاتم النبیین کے ظہور سے پہلے اپنی منزل پر نہ پہنچ سکی تاہم اس کی رفتار کا ہر قدم صحیح راستہ پر اٹھتا اور صحیح منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ اس کے برعکس اگرچہ فلسفہ جزوی اور محدود کامیابیاں حاصل کرتا رہا لیکن حقیقتِ کائنات کے صحیح تصور سے محروم ہونے کی وجہ سے مجموعی طور پر منزل سے دور ٹھوکریں کھاتا رہا۔ نبوتِ کاملہ کی راہ نمائی کے بغیر صحیح قسم کے وجدان سے آغاز کرنا اور لہٰذا صحیح عقلی استدلال کا پانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

ہر دو امیر کارواں ہر دو بمنزلے رواں
عقل بحیلہ می کشد عشق برد کشاں کشاں

نبوت کی کوشش یہ تھی کہ انسان کو نظامِ عالم کی عقلی ترتیب کی تفصیلات میں لے جانے کی بجائے انسان کو اس کے ضروری حقائق کی واقفیت اس حد تک بہم پہنچا دی جائے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں ایسے عمل پر آمادہ ہو جائے جس سے نہ صرف اس کی عملی زندگی درست اور پُرامن اور خوشگوار ہو بلکہ جس سے اس کے اندر وہ صحیح وجدان حقیقت بھی پیدا ہو جائے جو بیک وقت حقیقت، کا عشق اور حقیقت کا بنیادی علم ہوتا ہے اور جس کے بغیر وہ نہ تو حقائق کو ٹھیک طرح